الحق کا سوالنامہ اور اسکے جوابات

سلسلہ :۔

میری علمی اور مطالعاتی زندگی

مولانا لطافت الرحمان سواتی۔ جامعہ اسلامیہ بہاولپور

برادرم مکرم ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ کافی عرصہ سے مراسلت نہیں ہوئی۔ البتہ "الحق" اقامہ اللہ وادامہ۔ میں سیر بلخ وغیرہ تمام چیزوں کی سیر ہوتی رہتی ہے۔ اس وقت باعث تحریر ماہ ستمبر کا اداریہ بعنوان "ہماری دینی درسگاہیں" ہے جس سے ملتا جلتا البلاغ کا اداریہ بعنوان "علماء کے لئے لمحۂ فکریہ" بھی ہے۔ اس کے بارے میں چونکہ اکابر علماء اور چند بزرگ علمی ہستیاں اب بھی بحمد اللہ ہم میں موجود ہیں۔ لہٰذا ہماری طرف سے کسی خامی اور خرابی کی نشاندہی یا تجویز و مشورہ تو چنداں مفید نہیں ہے۔ تاہم درد دل کا اظہار ہی کر رہا ہوں جس کا آپ نے موقع فراہم کیا ہے۔ یعنی آپ کے سوالات کے جوابات بالترتیب ذیل میں عرض کرتا ہوں :

۱۔ میرے نزدیک علمی زندگی کے میدان میں کتب اور مصنفین کے تاثر کے سلسلہ میں صرف ان حضرات کے نام لئے جاسکتے ہیں۔ جن کی کتابوں سے درس نظامی کا حاوی اور ہمہ گیر خاکہ تیار کیا گیا تھا۔ جن پر دست ستم دراز ہے۔ یعنی ایک ایک کرکے سب کو نصاب تعلیم سے یا تو خارج کیا گیا ہے یا خارج کرنے کے منصوبے اور تجاویز بن رہی ہیں۔ آگے اس مفید اور بنیادی نصاب تعلیم میں کس کس کا نام لیا جائے۔ مثلاً علم حدیث میں صحت وقوت اور عظیم تر مقبولیت کے لحاظ سے محدث جلیل امام الحدیث محمد بن اسماعیل کی جامع صحیح سے لیکر درس نظامی کی ابتدائی کتابوں علم الصیغہ۔ فصول اکبری۔ نور الایضاح۔ تہذیب اور ایساغوجی وغیرہ تک، کونسی کتاب ہے جس کے بغیر نصاب تعلیم کو مفید کہا جاسکے۔

پھر اس بدایت و نہایت کے بمصداق عرض و گزارش میں قاضی ناصر الدین بیضاوی کی تفسیر "انوار التنزیل و اسرار التاویل" کا ذکر کیا جائے۔ جو کشاف کے مخفیات کو صاف اور سلیس کر کے مناسب اور ضروری حذف و ترمیم اور جرح و تعدیل کے بعد مرتب کی گئی ہے۔ یا فن بلاغت اور تعبیر و عبارت کی سلاست و

بدولت ہیں علامہ سعد الدین تفتازانی کا اور فن منطق میں جلال الدین دوانی اور حمد اللہ سندیلی کا۔
جن کا کلام نہایت صاف ستھرا، مطلب خیز اور جامع ومانع ہے۔ یا سید السند کا نام لیا جائے۔ جن کے علم کا بحر ذخار تمام علوم وفنون پر حاوی ہے۔ اور جن کی کتابیں شرح مواقف سے لیکر نحو میر تک تمام انفع وانفع ہیں اور اس قدر سنجیدہ اور نقاد ذہن کے مالک ہیں کہ خطیب قزوینی کی شرح مفتاح دیکھ کر فرماتے ہیں: انہ کا لعجم بعثر علیہ خباثہ۔ (فوائد بہیہ مصری ص ۱۲۷)
اسی طرح سید زاہد کی دقیقہ سنجی، نکتہ رسی، اور علمی دقت وغموض قابل داد ہے۔ جن کا ایک ایک حاشیہ دفتر علوم قرار دیا جا سکتا ہے۔
یا علامہ ابن حاجب کی اختصار پسندی اور وہ جچے تلے جملے جن میں بال برابر حک و فک کی گنجائش نہیں ہے۔ اور متعلقہ قواعد وضوابط پہ مخالب عقاب کی طرح منتشب اور مرتکز ہیں۔ یا عبد الرحمان جامی کے قیود واحترازات یا صدر الشریعہ کا وہ بارعب اور باوقار طرز بیان تحریر کیا جائے جس میں کچھ شوشے نکالنے کیلئے علامہ تفتازانی جیسوں کی کوشش ناکام ہو۔
یا محب اللہ بہاری کی دونوں درسی کتابوں کو لے لیا جائے جن میں "سلم العلوم" تو منطق کی کلیات، مسلمات خلافیات اور بلند وبالا تحقیقات کا ایک شاہکار ہے۔ اور اصول فقہ میں "مسلم الثبوت" بھی مسلم الثبوت ہے۔ جس میں محب اللہ نے مسائل خلافیہ، عقلیہ، نقلیہ، کلامیہ، اصولیہ کو تقلید واتباع سے بالا بالا ہو کر "تعادلهم" اولا وثانیا وثالثا ورابعاً۔ فصاعداً کہہ کر طرز استدلال کا ایک عمدہ اور مختصر ڈھنگ نکالا ہے۔
بہر کیف ان مصنفین اور تصنیفات نے نہ صرف مجھ جیسوں کو متاثر کیا ہے بلکہ ان کتابوں ہی کے نصاب تعلیم سے ماضی قریب کے مرحومین میں محمد قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی، محمود الحسن دیوبندی اشرف علی تھانوی، انور شاہ کشمیری، حسین احمد مدنی، محمد ابراہیم بلیاوی، اعزاز علی امروہی، مفتاح الدین سواتی جیسی ہستیاں بن گئی ہیں (رحمہم اللہ وایانا وجعل الجنۃ مثواھم ومثوانا) اور موجودین میں سے رسول خان ہزاروی، شمس الحق افغانی، محمد شفیع دیوبندی، محمد یوسف بنوری، محمد ادریس کاندھلوی۔ عبد الحق اکوڑہ خٹک۔ محمد موسیٰ خان ڈیروی وغیرہ وغیرہ تیار ہوئے ہیں جن کی سندوں میں درج بالا علماء سابقین اپنی اپنی جگہ پر موجود ہیں۔ اور موجودین تلامذہ کے بالواسطہ اساتذہ ہیں۔ خیر یہ تو ع

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم چنانچہ حرف عصا گفت موسیٰ اندر طور

—— رہی یہ بات کہ ان محسن کتابوں نے مجھ پر کیا نقش چھوڑے۔ سو وہ یہ کہ ع

ہمہ شہر پر ز خوبان منم و خیال ماہے چہ کنم کہ چشم بدبین نہ کند بکس نگاہے

مطلب یہ کہ اب ہمارے سامنے فجر الاسلام سے لیکر مساد الاسلام تک جدید فکر کی تمام علمی معلوماتی کتابیں موجود ہیں۔ لیکن مذکورہ بالا سلسلہ درس نظامی کی کتابوں کی قوت و پختگی، جودت وافادیت کا مقابلہ ہرگز نہیں کرسکتی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ وقت اور معلومات کے لحاظ سے یہ سلسلہ بجائے خود مفید اور نافع ہے۔ اس بارے میں مجھے تو خاص طور پر اس بات سے بھی ایک گونہ کوفت ہوگئی ہے۔ کہ حضرت مولانا یوسف صاحب بنوری نے کافیہ ابن حاجب کے بدلے نصاب تعلیم میں اس جدید کتاب کی تجویز یا سفارش فرمادی ہے۔ جس کے مرتبین میں آپ خود بھی شامل ہیں۔

۲۔ ایسی کتابوں اور ان کے مصنفین کی خصوصیات کا ذکر تو ہو ہی گیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ کتابیں نصاب تعلیم کا سنگِ بنیاد ہیں اور انہی مصنفین ہی کے پختہ طرز و طریق سے کسی طالب علم کی علمی زندگی مضبوط اور وسیع بنیادوں پر استوار ہوسکتی ہے۔ علاوہ ازیں علوم و فنون کے قدیم اسفار اور وقتِ حاضر کے جدید انظار و افکار کی حیثیت ثانوی، ثالثی، رابعی و ھلم جرّا ہے۔ گویا علمی میدان کے پھیلاؤ سے صحیح طور پر مستفید اور مستفیض ہونا انہی بنیادی کتابوں کا مرہونِ منّت ہے۔ اور یہی میری نظر میں ان کتابوں کی خصوصیت اور امتیاز ہے۔

۳۔ مجلات اور جرائد میں سے شغف تو الحق، بینات، البلاغ دارالعلوم دیوبند کا عربی جریدہ۔ دعوۃ الحق وغیرہ۔ اسی طرح کے دینی علمی معلوماتی جرائد و رسائل سے ہے۔ خدام الدین اور بعض دیگر رسائل پر بھی ایک طاہرانہ نظر ڈالتا ہوں۔ اردو ادب اور زورِ بیان کی سیر کی خاطر چٹان، فاران، اور چیدہ دلچسپ معلومات کے لئے اردو ڈائجسٹ بھی (لاباالتزام) دیکھتا ہوں۔

ظاہر ہے کہ قارئین جرائد میں سے جن کا ذہن دین و مذہب اور علوم نبوّت سے وابستہ ہوگا۔ تو اس کے معیار پر مذکورہ بالا جرائد ہی پورے اتریں گے۔ ع خیال اپنا اپنا پسند اپنی اپنی۔

۴۔ میں اپنی تعلیمی زندگی میں دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ میں سے حضرت مولانا اعزاز علیؒ نیز مدرسہ عالیہ رامپور کے پرنسپل امام المعقولات مولانا فضل حق صاحبؒ اور اسی طرح شیخ العرب والعجم علامہ مدنیؒ سے بہت متاثر رہا ہوں۔ جن میں سے طلباء کی تعمیر و تربیت، ہر نقل و حرکت، گفتار و کردار پر سخت مصلحانہ مربیانہ احتساب اور ساتھ ہی محنتی اور قابل طلبہ سے بے پناہ محبت و شفقت کا پیکر تو اوّل الذکر ہی تھے۔ جہاں ثانی الذکر نہایت بلند دماغ۔ ظریف الطبع اور علمی بلند و بالا اور مختصر تشریح و تعبیر میں طلبہ کیلئے ایک زبردست جذب و کشش اور شوق و وجد کے مالک تھے۔

امور عامہ شمس بازغہ وغیرہ متعلقہ دروس میں جہاں کوئی خاص نکتہ بیان فرماتے تو ہر شریک درس

سے پوچھ کر اس کا مبلغ ذہن معلوم فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ ان کا یہ معمول شرکاء درس میں علمی مسابقت و مبارزت اور ان کے علمی نشو و نما کے سلسلہ میں ایک ارتقائی عمل ثابت ہوتا تھا۔ اور ثالث الذکر تو باوجود اس قدر ارفع واعلیٰ مقام اور فیاض طبیعت کے مالک ہونے کے باوجود طلبہ کی اخلاقی اور تنظیمی خامیوں کے بالکل روادار نہ تھے۔ چنانچہ طلباء کے بعض بظاہر معمولی قسم کی غلطی اور فروگزاشت پر سال دو سال یا ہمیشہ کیلئے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ سے محروم کرنا ان کے خصوصی مشہور فیصلہ جات ہیں۔

۵- میرے خیال میں وقت حاضر کے جدید حوادث و نوازل کے مقابلہ یا استیصال کیلئے ماضی قریب اور حال کے علماء امت میں سے بالترتیب، علامہ سید محمود آلوسیؒ کی روح المعانی حضرت شاہ ولی اللہ کی تصنیفات اور بعد ازاں ان کے خلفاء صالحین وصادقین اکابر علماء دیوبند میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سید انور شاہ کشمیریؒ مولانا شبیر احمد عثمانی۔ مولانا مناظر احسن گیلانی اور جناب قاری محمد طیب صاحب وغیرہم کی تصانیف، کا مفید اور کارآمد ہونا ظاہر ہے۔ جن میں سے ہر ایک سے ہر گلے را رنگ و بوی دیگر است۔ کے مصداق اور مجموعی طور پر "لا یزال طائفۃ من امتی منصورین لا یضرھم من خذلھم حتی تقوم الساعۃ" کے سچے نمونے ہیں۔

۶- متذکرہ فتنوں میں سے بعض کا پس منظر خدا و رسول اور شریعت و اسلام سے بیزاری اور بعض کا عداوت اور دشمنی ہے۔ پھر اس بیزاری یا عداوت کا ردّ عمل ہی یہ تحریفی، الحادی اور تجددی فتنے ہیں۔ جن سے نمٹنے کیلئے بحمد اللہ تعلیمات دین میں ہر طرح کا سامان اور کتابیں موجود ہیں۔

انکار حدیث، عقلیت، اباحیت کا تو کوئی قوی مستدل نہیں ہے۔ قادیانی دھرم بھی دلیل و حجت کے لحاظ سے کچھ واہی تباہی قسم کا زندیقانہ مالیخولیا ہے۔ بہر کیف بعض فتنوں کے بعض مواد کیلئے مقدمہ تفسیر حقانی معلومات افزا ہے۔ حضرت شاہ صاحب کی کتاب "عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام" اور اکفار الملحدین وغیرہ اپنے اپنے مقصد میں اقویٰ واقع ہیں۔ تجدد اور مغربیت کیلئے "توافقیات" کا متعلقہ حصہ بھی نہایت کارآمد ہے۔ "لوہے کا توڑ لوہا ہی ہو سکتا ہے"۔

با ایں ہمہ تو امت مسلمہ کے جدید طبقہ کے لئے ایک ذہنی تمدنی بلکہ اقتصادی و معاشی ہر طرح سے ایک وبا بھی ہے جس کے سنجیدہ علمی احتساب کیلئے مذکورہ بالا دینی علمی پاکیزہ جرائد و رسائل نیز علماء حقانیین کا قیمتی لٹریچر کافی موجود ہے۔ اور اگر بعض بے جا تنقید و تنقیص اور غیر ضروری مشاجرت و منافرت سے قطع نظر کیا جائے تو مولانا مودودی صاحب کا قلم بھی بعض فتنوں کے لئے کاری ضرب کا کام دیتا ہے۔ مگر افسوس کہ موصوف کو مذہب سے زیادہ اپنی سیاست یا سیاسی

موقف سے دلچسپی ہے۔ خاص کر علماء حقانیین یعنی علماء دیوبند سے تو اس تحریک کے اصاغر و اکابر کو نفرت اور بدظنی ہے۔

۷۔ سائنسی اور معاشی مسائل میں صحیح ترجمانی کرنے والی کتابوں سے میرا کوئی خاص لگاؤ نہیں رہا ہے۔

۸۔ نصاب درس کے سلسلہ میں میرا موقف واضح ہوگیا ہے۔ وہ یہ کہ میں مدارس عربیہ کے نصاب کے لئے صرف اور صرف پرانے مجوزہ درس نظامی کا قائل ہوں۔ اسی کو مفید تر اور اتم و احکم سمجھتا ہوں اور اسی میں فنی۔ کتابی۔ کلی۔ جزوی کسی طرح کے رد و بدل اور حذف و ترمیم کا روادار نہیں ہوں۔ پھر میں اپنے اس موقف کے ہوتے ہوئے نصاب تعلیم میں تبدیلیوں کا مشورہ کیونکر دے سکتا ہوں۔ بلکہ نصاب میں کی گئی تبدیلیوں کے خلاف بھی میرا سخت احتجاج ہے۔ مگر کون سنتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ایک روز جب حضرۃ الاستاذ جناب علامہ افغانی صاحب دامت برکاتہم محکمہ اوقاف کیطرف سے اس کمیٹی میں لاہور بلائے گئے۔ جو ہر سال درس نظامی میں قطع و برید اور حذف و تخفیف کرتی ہے۔

تو میں نے حضرت کو ایک مسٹر صاحب کی پتلون کا قصہ سنایا جبکہ وہ مناسب مقدار سے کچھ لمبی بنی ہوتی تھی۔ اور صبح کو جب مسٹر صاحب دفتر جانے لگے تو اہلیہ صاحبہ سے کہا کہ میری نئی پتلون کچھ لمبی ہے۔ میں اس کو آج چھوڑ رہا ہوں۔ گھر کی مشین سے اس کو چار انگل کم کر دیجئے گا۔ اہلیہ صاحبہ نے انکار کیا اور کہا کہ میرے پاس وقت نہیں ہے۔ گھر سے نکلتے وقت اپنی ایک لڑکی سے کہا، اس نے بھی انکار کیا۔ راستہ میں اپنا ایک نوکر علاوہ بھی مشین پر کام کرنا جانتا تھا۔ لیکن اس نے بھی بہانہ بنا کر ٹال دیا۔

خیر۔ مسٹر صاحب مایوس ہو کر دفتر چلے گئے۔ واپسی پر شام کو کسی سے بات بھی نہ ہوئی۔ آئندہ صبح کو جب دفتر جانے لگا تو سوچا نئی پتلون ہے، کچھ لمبی ہی کم کرنے کی تو کسی نے زحمت نہ کی چلو پہن کر دفتر چلتا ہوں۔ جب پہننے لگا تو وہ گھٹنوں تک چڑھ چکی تھی۔ کیونکہ جس جس سے کم کرنے کو کہا تھا ان میں سے ہر ایک نے انکار کے باوجود چار چار انگل کی کمی کر دی تھی اور ایک دوسرے سے بے خبر تھے۔

حضرت الاستاذ خود بھی فرما رہے تھے کہ یہ تو علم کو ختم کرنا ہے۔ بلکہ بعد میں فرمایا کہ میں نے نصاب تعلیم سے علمی بنیادی کتابوں کے نکالنے کی سخت مخالفت کی تھی۔ بہر صورت قصہ یہی ہے کہ علم ایسے لوگوں کے ہاتھ میں چلا گیا ہے۔ کہ جن کا مقصد زیست علم کا حلیہ ہی بگاڑنا ہے۔ فالی اللہ المشتکی۔

میرا یہ احتجاج اس وجہ سے ہے کہ اگر مدارس عربیہ کے طلبہ کو نصاب تعلیم کے ذریعہ وقت حاضر کے تمام مذہبی اور مادی و معاشی علوم سے مکمل طور پہ روشناس کرنا ہے تو یہ تو تقریباً ناممکن ہے۔ نیز ان علوم کے ہر ہر شعبہ کیلئے جداگانہ تعلیم گاہیں موجود ہیں۔ پھر یہ کہ بعض علوم کے کسب و تحصیل کی راہیں بعض

دوسروں سے مختلف بلکہ کسی حد تک متضاد ہیں۔

چنانچہ اس لحاظ سے مدارس عربیہ کے طلباء کو اگر بیک وقت اچھا مدرس، مصنف، عالم اور ساتھ ہی مسائل حاضرہ اور فنون رائجہ کا پورا ماہر اور سٹیج کا بھی بادشاہ بنانا ہو جو زمین و آسمان کے قلابے ملاسکتا ہو تو یہ تو سے خیال است و محال است و جنوں۔

اور اگر ان درسگاہوں کی روایات اور بنیادی مزاج کے تقاضوں میں علماء مدرسین، مصنفین، مبلغین مقربین، متقین اور صالحین تیار کرنے ہیں تو پھر نصاب تعلیم کے لئے وہی درس نظامی صرف مناسب نہیں بلکہ لازم اور ضروری ہے۔

دراصل درس نظامی کا مجوزہ قدیم خاکہ ہی تمام علوم و فنون کی ان بنیادی کتابوں سے تیار کیا گیا ہے۔ جن کے بغیر عالم کامل بننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

میرے اس جمود و قدامت کی تائید و تقویت دارالعلوم دیوبند کے اس نصاب تعلیم سے بھی ہوتی ہے۔ جو میرے سن فراغت (۱۳۵۷ھ) میں ۸۳ عدد کتابوں پر مشتمل تھا اور روزانہ ان کتابوں کا درس ہوا کرتا تھا۔ ان میں شفاء، شرح اشارات، تحریر اقلیدس خلاصۃ الحساب سبع شداد بست باب شمس بازغہ، عروض المفتاح رسم المفتی، میر قطبی، رشیدیہ مناظرہ وغیرہ ہر طرح کی چھوٹی موٹی کتابیں داخل نصاب تھیں۔ جبکہ اس وقت پاکستان کے بالائی مدارس کے نصاب میں روزمرہ پڑھائی جانے والی کتابوں کا شمار شاید تیس ۳۰ تک بمشکل ہی پہنچتا ہو۔ ع ببین تفاوت راہ از کجا است تا بہ کجا۔

هذا والسلام وبالسلام الاختتام

علمی فکری دولت ـــــ نشان راہ

اذان سحر

مفکر اسلام، زعیم ملت مولانا مفتی محمود صاحب وزیر اعلیٰ سرحد

کی

سحر انگیز تقاریر اور معلومات آفریں انٹرویوز
کا حسین و جمیل مجموعہ

صفحات ۱۲۵ - قیمت دو روپیہ پچاس پیسے - آج ہی طلب فرمائیں۔

عزیز پبلی کیشنز ۵۶ میکلوڈ روڈ - لاہور